"غلام عباس کے افسانہ 'کتبہ' اور نجیب محفوظ کے افسانہ 'قیدی کی وردی' کا تقابلی مطالعہ"

A Comparative Study of Ghulam Abbas's Short Story 'Katba' and Naguib Mahfouz's Short Story 'The Prisoner's Uniform'

☆ڈاکٹر زینب (لیکچرار اردو محکمہ اعلی تعلیم خیبر پختونخوا

☆☆ڈاکٹر صبا علی، لیکچرار اردو، کلام بی بی انٹر نیشنل ویمن انسٹیٹیوٹ آف بنوں

☆☆☆زینب رحیم (ایم فل سکالر)

Abstract:

This study presents a comparative analysis of two significant short stories, *"Katba"* by Ghulam Abbas and *"The Prisoner's Uniform"* by Naguib Mahfouz. Both writers are prominent figures in Urdu and Arabic literature, respectively, and are known for their realistic and symbolic portrayal of society.

The analysis explores how both stories depict the struggles of ordinary individuals trapped in socio-economic conditions and unfulfilled desires. In *"Katba,"* the protagonist spends his entire life pursuing a modest dream of social recognition, which ultimately remains unrealized. Similarly, in *"The Prisoner's Uniform,"* a poor cigarette seller becomes a victim of his small desires, leading to a tragic and unexpected end.

The study highlights the use of symbolism in both stories, where the "katba" (inscription stone) represents unfulfilled ambitions and identity, while the "uniform" symbolizes mistaken identity and social misjudgment. Furthermore, the narrative techniques of both authors are examined, revealing differences in style Ghulam Abbas employs a simple, gradual, and ironic narrative, whereas Naguib Mahfouz presents a more intense and psychologically driven approach.

Overall, comparative analysis demonstrates that both stories reflect deep social realities and human vulnerabilities, encouraging readers to reflect on issues of identity, class, and the consequences of unfulfilled aspirations.

KEYWORDS: Short Story, Comparative Study, Ghulam Abbas, Naguib Mahfouz, Realism, Social Issues, Human Desires, Identity, Urdu Literature, Arabic Literature, Narrative Technique

کلیدی الفاظ: افسانہ، تقابلی مطالعہ، غلام عباس، نجیب محفوظ، علامت نگاری، حقیقت نگاری، انسانی خواہشات

ادب کا حسن اسی میں ہے کہ وہ مختلف تجربات اور زاویوں کو ایک دوسرے کے آئینے میں دکھا کر حقیقت کو زیادہ واضح کر دیتا ہے تقابل سے مراد موازنہ کرنا ہے۔ دو مختلف چیزوں میں اشتراک اور افتراق کو ڈھونڈنا اور برابری کرنا تقابل کہلاتا ہے۔ دو چیزوں کے درمیان موازنہ خصوصا یہ جاننا ہوتا ہے کہ ان

میں کیا خصوصیات مماثل ہیں اور کیا غیر مماثل دنیا کے ہر ادب میں تقابلی مطالعہ کو اہمیت حاصل رہی ہے۔ کسی بھی تحریر کی قدر و منزلت معلوم کرنے کے لیے تقابل بہت ضروری ہے۔ تقابلی جائزے میں کسی ایک ادیب یا ادب کو اعلیٰ یا ادنیٰ، اچھا یا برا ثابت کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس سے نئ فکری اور عصری اور صحت مند رویے سامنے آتے ہیں۔ ایسا اس لیے بھی ہے کہ ادب محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ انسانی شعور، احساس اور تجربات کی گہری ترجمانی ہے۔ ایک بڑا ادیب وہی ہوتا ہے جو اپنے عہد کی داخلی و خارجی کیفیات کو نہ صرف محسوس کرے بلکہ انہیں اس انداز میں پیش کرے کہ وہ آفاقی معنویت اختیار کر جائیں۔ اس کی تخلیقات میں فرد کی نفسیات، معاشرے کی پیچیدگیاں اور زمانے کی کروٹیں ایک ساتھ جلوہ گر ہوتی ہیں، اور یہی عناصر ادب کو محض کہانی سے بلند کر کے ایک فکری و تہذیبی دستاویز بنا دیتے ہیں

اردو ادب میں **غلام عباس** اور عربی ادب میں **نجیب محفوظ** دونوں اپنے اپنے عہد کے ایسے افسانہ نگار ہیں جنہوں نے انسانی زندگی اور معاشرتی حقیقتوں کو نہایت گہرائی اور فنی مہارت کے ساتھ پیش کیا۔ غلام عباس نے اپنے افسانوں میں معاشرتی تضادات، انسانی کمزوریوں اور سماجی ناانصافیوں کو سادہ مگر پر اثر انداز میں بیان کیا، جب کہ نجیب محفوظ نے مصری معاشرے کی تہہ در تہہ حقیقتوں کو فلسفیانہ اور نفسیاتی رنگ میں پیش کیا۔ غلام عباس کا انداز حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ طنز اور علامت سے مزین ہے، جس کی بہترین مثال ان کا شہرۂ آفاق افسانہ "آنندی" ہے، جہاں وہ سماجی اقدار کی منافقت کو بے نقاب کرتے ہیں۔ دوسری جانب نجیب محفوظ اپنے افسانوں میں فرد کے باطن، اس کی خواہشات، محرومیوں اور وجودی کشمکش کو نہایت باریکی سے اجاگر کرتے ہیں۔ دونوں ادیبوں میں ایک نمایاں قدر مشترک یہ ہے کہ وہ اپنے معاشرے کے سچے عکاس ہیں، تاہم ان کے اسلوب میں فرق پایا جاتا ہے؛ غلام عباس کا انداز نسبتاً سادہ، علامتی اور طنزیہ ہے، جب کہ نجیب محفوظ کا اسلوب فلسفیانہ، نفسیاتی اور قدرے پیچیدہ ہے۔ اس طرح یہ دونوں ادیب اپنے اپنے ادب میں حقیقت نگاری کے دو مختلف مگر اہم زاویے پیش کرتے ہیں۔

ایک عظیم ادیب اپنے عہد کا محض عکاس نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے فن کے ذریعے زمانے کی روح کو گرفت میں لے کر اسے نئ معنویت عطا کرتا ہے۔ اس کی تحریروں میں نہ صرف فرد کے باطنی کرب اور احساسات کی جھلک ہوتی ہے بلکہ پورے معاشرے کی تصویر بھی نمایاں ہوتی ہے۔ یہی ادیب اپنے تخلیقی شعور کے ذریعے قاری کو سوچنے، محسوس کرنے اور حقیقت کو نئے زاویے سے دیکھنے پر مجبور کرتا ہے۔ نوبل انعام یافتہ مصری ادیب نجیب محفوظ نہ صرف ایک مایہ ناز ناول نگار تھے بلکہ افسانہ نگاری کے میدان میں بھی ان کا ثانی نہیں۔ انھوں نے اپنی مختصر کہانیوں کے ذریعے ایک طرف اپنے فکر و فلسفہ کا اظہار کیا دوسری جانب سماجی حقیقت نگاری کرتے ہوئے اپنے معاشرے کا حقیقی عکس پیش کیا۔ "قیدی کی وردی" ان کا ایک ایسا منفرد افسانہ ہے، جس میں سیاسی، سماجی صورتحال بھی نظر آتی ہے اور انسانی باطن کی تصویر کشی کی۔ نجیب محفوظ بنیادی طور پر ترقی پسند ادب اور وجودیت سے متاثر تھے اور وجودیت میں سارتر کے پیروکار نظر آتے ہیں ۔

"قیدی کی وردی" ایک ایسے سگریٹ فروش کے گرد گھومتی ہے جو ریلوے اسٹیشن پر اپنی زندگی گزار رہا ہے۔ اس کردار میں معاشی تنگی کی کشمکش کے ساتھ ساتھ بے شمار آرزوئیں اور امنگیں بھی موجود ہیں۔ اس کے دل میں چھپی ہوئی خواہشات کی تکمیل اسے مسلسل بے چینی اور اضطراب میں مبتلا رکھتی

ہے،اور یہی خواہشات اسے زندگی بھر محنت ومشقت پر مجبور کرتی ہیں۔اپنے مقصد کے حصول کے لیے وہ ایک دن ریلوے اسٹیشن پر ٹہل رہا ہوتا ہے کہ ایک ریل گاڑی پلیٹ فارم پر آ کر رکتی ہے۔اس میں اطالوی فوج کی ایک پلٹن موجود ہوتی ہے، جنہیں قیدی بنا کر کہیں لے جایا جا رہا ہوتا ہے۔وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اچانک ایک فوجی، جو انگریزی لہجے میں بات کر رہا ہوتا ہے،اس سے سگریٹ طلب کرتا ہے۔مگر اس کے پاس پیسے نہیں ہوتے،اس لیے وہ اپنا خاکی کوٹ بطور معاوضہ پیش کرتا ہے، جسے وہ سگریٹ کے دو ڈبوں کے بدلے قبول کر لیتا ہے۔کوٹ پہننے کے بعد اس کے دل میں پتلون حاصل کرنے کی خواہش جنم لیتی ہے، چنانچہ وہ ایک اور فوجی سے سگریٹ کے ایک ڈبے کے بدلے پتلون بھی حاصل کر لیتا ہے۔اب صرف بوٹ کی کمی باقی رہ جاتی ہے۔وہ بوٹ کے حصول کے لیے دوبارہ آواز لگاتا ہے، مگر اسی دوران ریل گاڑی چل پڑتی ہے۔اسی اثنا میں ایک مسلح گارڈ کی نظر اس پر پڑتی ہے، جو اسے قیدیوں کی وردی میں دیکھ کر غصے میں چیختا ہے اور حکم دیتا ہے کہ فوراً گاڑی میں سوار ہو جائے۔وہ اس کی بات سمجھ نہیں پاتا اور پیٹھ پھیر کر چلنے لگتا ہے۔اسی لمحے گارڈ بندوق تان کر اس پر گولی چلا دیتا ہے،اور وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جاتا ہے۔

کتبہ "غلام عباس کا ایک نہایت عمدہ اور معنی خیز افسانہ ہے۔اس میں شریف حسین نامی ایک کلرک کی زندگی کا المیہ پیش کیا گیا ہے، جو ساری عمر سپرنٹنڈنٹ بننے کی آرزو میں گزار دیتا ہے۔

ایک دن وہ معمول سے کچھ پہلے دفتر سے نکلا اور تانگے میں سوار ہو کر گھر کے قریب پہنچا، مگر گھر جانے کے بجائے جامع مسجد کی طرف چل پڑا، جہاں سیڑھیوں کے اطراف پرانی اشیاء کی دکانیں سجی ہوتی تھیں۔گھومتے گھومتے وہ کباڑیوں کی دکانوں تک جا پہنچا۔ایک دکان پر اس کی نظر سنگِ مرمر کے ایک خوبصورت ٹکڑے پر پڑی۔قیمت پوچھنے پر دکاندار نے تین روپے بتائے، مگر اس نے وہ ٹکڑا ایک روپے میں خرید لیا اور گھر لے آیا۔اس کی بیوی میکے گئی ہوئی تھی،اس لیے وہ رات کو کھلے آسمان تلے بیٹھ کر مستقبل کے خواب دیکھنے لگا۔اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ وہ اس سنگِ مرمر کے ٹکڑے پر اپنا نام کندہ کروا کر اسے اپنے مکان کے دروازے پر نصب کرے گا۔جب اسے تنخواہ ملی تو اس نے فوراً سنگ تراش سے اس پر اپنا نام نہایت خوبصورتی سے کندہ کروا لیا۔وہ روزانہ دفتر سے واپسی پر اس کتبے کو دیکھتا اور اس امید میں خوش ہوتا کہ ایک نہ ایک دن اس کی ترقی ضرور ہو جائے گی۔کچھ عرصے بعد اس کی ایمانداری اور محنت کے باعث اسے تین ماہ کے لیے عارضی طور پر کلرک درجہ اول کے عہدے پر فائز کر دیا گیا، مگر مدت ختم ہونے پر وہ دوبارہ اپنی پرانی حیثیت پر آ گیا۔وقت گزرتا گیا،اس کے بچے بڑے ہو گئے اور ان کے اخراجات نے اسے گھریلو ذمہ داریوں میں الجھا دیا۔سنگِ مرمر کا وہ ٹکڑا کبھی چارپائی کے نیچے، کبھی الماری میں اور کبھی صندوق میں پڑا رہتا،اور اس کے خواب بھی رفتہ رفتہ مدھم پڑتے گئے۔بالآخر پچپن برس کی عمر میں شریف حسین کو پنشن مل گئی۔اس کے دو بیٹے ملازمت پر لگ چکے تھے اور گھر کا گزارا کسی حد تک ہو رہا تھا۔مگر پنشن کے تین سال بعد وہ نمونیا کے باعث انتقال کر گیا۔اس کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا گھر کی صفائی کر رہا تھا کہ اسے پرانے سامان میں وہی کتبہ مل گیا۔اسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ایک چمک ابھری۔اگلے دن اس نے سنگ تراش سے اس میں معمولی سی ترمیم کروائی اور اسے اپنے باپ کی قبر پر نصب کر دیا۔

کتبہ "از غلام عباس اور "قیدی کی وردی "از نجیب محفوظ دونوں حقیقت نگار اور علامتی افسانے ہیں، جن میں عام انسان کی زندگی، اس کی خواہشات اور" سماجی حالات کی عکاسی کی گئی ہے۔ دونوں افسانوں میں مرکزی کردار ایک عام انسان ہے جو معاشی اور سماجی دباؤ کا شکار ہے۔ "کتبہ "کا شریف حسین زندگی بھر ترقی کے خواب دیکھتا ہے، جبکہ "قیدی کی وردی "کا سگریٹ فروش اپنی معمولی خواہشات کی تکمیل میں مصروف رہتا ہے۔ دونوں کردار اپنی خواہشات کے اسیر ہیں، مگر انجام کے لحاظ سے دونوں کی تقدیر مختلف مگر المیہ ہے۔ علامت نگاری کے حوالے سے بھی دونوں افسانے اہم ہیں۔ "کتبہ " میں سنگِ مرمر کا ٹکڑا ادھورے خوابوں اور شناخت کی علامت ہے، جبکہ "قیدی کی وردی "میں وردی شناخت کی تبدیلی اور غلط فہمی کی علامت بن جاتی ۔ ہے۔ دونوں کہانیاں اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہیں کہ ظاہری اشیاء اور سماجی علامات انسان کی قسمت پر کس قدر اثر انداز ہو سکتی ہیں

اسلوب کے اعتبار سے غلام عباس کا انداز سادہ، ہلکے طنز اور تدریجی اثر کا حامل ہے، جبکہ نجیب محفوظ کا اسلوب زیادہ شدید، نفسیاتی اور چونکا دینے والا ہے۔ "کتبہ "کا انجام ایک خاموش المیہ پیش کرتا ہے، جبکہ "قیدی کی وردی "کا اختتام اچانک اور دل دہلا دینے والا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ دونوں افسانے اپنے اپنے انداز میں انسانی زندگی کی بے بسی، خواہشات کی ناکامی اور معاشرتی ناانصافی کو نمایاں کرتے ہیں، اور قاری کو گہرے فکری تامل پر مجبور کرتے ہیں۔ کتبہ "کی کہانی بیانیہ انداز میں پیش کی گئی ہے۔ اس میں مکالمے نہ ہونے کے برابر ہیں، اور پوری کہانی مختصر اور محدود مکالموں کے ذریعے آگے بڑھتی ہے۔ افسانے کی رفتار دھیمی اور تدریجی ہے، جس کے باعث کہانی آہستہ آہستہ اپنے انجام کی طرف بڑھتی ہے اور قاری پر ایک گہرا اور دیرپا اثر چھوڑتی ۔ ہے

(1)"! کیوں حضرت چل دیے؟ آپ بتائیے کیا دیجئے گا"

: اس کے برعکس "قیدی کی وردی "میں مکالمے بہت جاندار ہیں اور اپنی کرداروں کی بھرپور عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ مثالیں ملاحظہ کیجئے

"حبشہ : "بہت جلد میں انگوٹھی لے کر آرہا ہوں

(2) "نبویہ : "اپنے لیے کھڑاؤں لے لو تو بہتر ہو

: کتبہ میں سادہ، عام، سہل اور روزمرہ کے ساتھ ساتھ برمحل محاورات کا استعمال بھی دکھائی دیتا ہے مثالیں ملاحظہ ہوں

: پیٹ بھرنا

۔)3(دن میں دفتر کے حلوائی سے دو چار پوریاں لے کر کھالی تھیں اور اوپر سے پانی پی کر پیٹ بھر لیا تھا

: سبز باغ دکھانا

(4 امیدیں اسے سبز باغ دکھاتیں اور دفتر کی مشقت کی تھکان کسی قدر کم ہو جاتی

: جان کھپانا

(5) "کڑی محنت جھیلنے اور جان کھپانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا

: قیدی کی وردی" کا اگر جائزہ لیا جائے تو سادہ، رواں اور آسان اسلوب کے ساتھ خوبصورت محاورات کا استعمال بھی نمایاں ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں"

: شعلہ بھڑکنا

(6)" یہ سب دیکھ کر اس کے دل میں ایک شعلہ سا بھڑک اٹھا اور جذبہ رقابت نے اسے ڈسنا شروع کر دیا

: تیوری چڑھانا

۔)7(مگر وہ اس کی طرف منہ پھیر کر اور تیوری چڑھا کر حقارت سے کہتی ہے"

: نظر ڈالنا

۔)8(وہ اپنے میلے چغے اور چکٹ ٹوپی پر نظر ڈالتا اور سوچتا

۔ڈکشن کے حوالے سے دیکھا جائے تو غلام عباس نے "کتبہ "میں اردو ہندی، عربی، فارسی، انگریزی اور سنسکرت لفظیات کا استعمال خوبصورتی سے کیا ہے

شریف حسین لیکچر باز حکیموں، سنیاسیوں، تعویز گنڈے بیچنے والے سائینیوں"

اور کھڑے کھڑے تصویر اتار دینے والے فوٹو گرافروں کے جمگھٹوں کے پاس ایک

9"ایک دو دو منٹ رکتا، سیر دیکھتا اس طرف جا نکلا جہاں کباڑیوں کی دکانیں تھیں

: اسی طرح "قیدی کی وردی "میں انگریزی عربی، فارسی، ہندی اور اردو الفاظ کا خوب استعمال کیا ہے۔ مثال ملاحظہ ہوں

وہ بجا طور پر ریلوے اسٹیشن کو اپنی چلتی منڈی تصور کرتا تھا اور بے مثال پھرتی کے "

(10)" ساتھ پلیٹ فارم پر گھومتے ہوئے اپنی چھوٹی چھوٹی جہاں دیدہ آنکھوں سے گاہکوں کو شکار کرتا تھا

انسان بنیادی طور پر مٹی کا پتلا ہے مگر اس کی خواہشات پر کوئی ٹوک نہیں اور وہ بہتر سے بہتر زندگی کی تلاش میں لگا رہتا ہے۔ انسان نے خواہشات اور پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے قتل و غارت کی اور بہتر سے بہتر پانے کی لگن میں خود کو برباد کیا۔ یہ کائنات تبدیلی مسلسل سفر میں ہے اور یہ سفر ہی ہمارے سامنے وقت کی شکل میں ابھرتا ہے۔ بقول ڈاکٹر رشید امجد:

وقت ایک سیل تند ہے جو ہمیں تنکوں کی طرح بہائے لیے جا رہا ہے"

پھر آخر کار فنا کے سمندر میں پھینک دیتا ہے۔ وہ ہر احساس سے عاری ہے۔ اس کا کام ہر شے کو برباد کر کے فنا کرتا ہے

۔)11(ہم اس کی گود میں پیدا ہوئے ہیں اور اس کے ہاتھوں ختم ہو جاتے ہیں

قیدی کی وردی میں ٹرین کا رکنا اور پھر روانہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ انسان دنیا میں مختصر وقت کے لیے آتا ہے اور پھر آخری سفر پر روانہ ہو جاتا ہے ۔وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا بلکہ تیزی سے گزرتا ہے۔ دونوں افسانوں میں دنیا کی بے ثباتی کو بیان کیا ہے۔ کسی نے بھی یہاں مستقل نہیں رہتا۔ موت

سب کا پیچھا کرتی رہتی ہے۔"کتبہ "میں شریف حسین بڑھاپے میں مرتا ہے جبکہ "قیدی کی وردی"میں حبشہ جوانی میں ہی سپاہی کی گولی کا نشانہ بن جاتا ہے ۔

افسانے کے آغاز سے ہی قاری کی توجہ اپنی طرف متوجہ کرنا ایک باکمال فن کار کا ہی ہنر ہوتا ہے اور اس ہنر پر غلام عباس اور نجیب محفوظ کو قدرت حاصل ہے۔کتبہ میں شروع سے آخر تک قاری اس انتظار میں رہتا ہے کہ شریف حسین کب اپنا مکان بنائے گا اور اس پر کتبہ نصب کرے گا۔اسی طرح "قیدی کی وردی"میں خجستہ پینٹ اور کوٹ حاصل کرنے کے بعد جب بوٹ کی خواہش کرتا ہے تو اس وقت تک حبشہ کے موت کا کسی کو کچھ پتہ نہیں ہوتا ۔ اسی طرح "قیدی کی وردی"میں وردی سے کسی بھی ادارے کی پہچان ہوتی ہے۔وردی جب پولیس یا فوجی پہنتے ہیں تو وہ محافظ کہلاتے ہیں اور ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔اور جب وہی محافظ کسی دوسرے ملک کے محافظوں کے ہاتھوں یرغمال ہوتے ہیں تو پھر وہ قیدی بن جاتے ہیں۔ایک طرف وردی آزادی اور خود مختاری کی علامت ہے تو دوسری طرف مجرم یا ملزم کی علامت ہے"کتبہ "اور "قیدی کی وردی"میں جہاں اشتراک پائے جاتے ہیں ۔ وہاں دونوں افسانوں میں افتراقات بھی نظر آتے ہیں۔جن کو درج ذیل نکات میں بیان کیا گیا ہے

افسانہ میں زندگی کی چند گھڑیوں کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے اور زندگی کے طویل دورانیے کو بھی سامنے لایا جا سکتا ہے۔افسانہ "کتبہ "زندگی کے طویل دورانیہ کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔اس میں پوری زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔جبکہ قیدی کی وردی صرف چند گھنٹوں کے حالات وواقعات پیش کرتا ہے۔غلام عباس نے "کتبہ "میں جزئیات نگاری کا خاص خیال رکھا ہے۔کہانی کو پراثر اور حقیقت سے روبرو کرانے کے لیے جزئیات نگاری کا خاص خیال رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔مثال ملاحظہ ہو۔

بعض منچلے تانگے،سائیکل چھاتے سے بے نیاز،ٹوپی ہاتھ میں،کوٹ کاندھے پر"،
گریباں کھلا ہو جیسے بٹن ٹوٹ جانے پر انھوں سیفٹی پن سے بند کرنے کی کوشش کی تھی
(12) " اور جس کے نیچے سے چھاتی کے گھنے بال پسینے میں تربتر نظر آتے تھے

جبکہ "قیدی کی وردی"میں نجیب محفوظ زیادہ تفصیل میں نہیں گئے۔مثال دیکھئے :

اس نے دل ہلکا کرنے کے لیے تمسخر کے انداز میں اس کی حرکات وسکنات کی"
نقل اُتارنی شروع کردی۔اسے اطمینان تھا کہ وہ اس کی دسترس سے دور ہے (13") ۔

کتبہ "میں شریف حسین درجہ دوم کلرک یعنی سرکاری ملازم ہے جبکہ "قیدی کی وردی"میں خجستہ ایک سگریٹ فروش ہے۔قیدی کی وردی"میں " حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ رومان بھی ہے۔جب الغر تھانیدار کی ملازمہ سے اظہار محبت کرتا ہے تو اسے دیکھ کر خجستہ کے دل میں عورت کی محبت حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ہر مرد کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ عورت کے دل ودماغ پر اپنی شخصیت کے جادو سے قابض ہو جائے۔یہی وجہ ہے کہ خجستہ اُسے حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔قیدی کی وردی وہ صرف نبوہ کی محبت اور توجہ حاصل کرنے اور پانے کے لیے حاصل کرنا چاہتا ہے

۔افسانہ "کتبہ" میں روماں نہ ہونے کے برابر ہے۔ شریف حسین مستقبل کو محفوظ بنانے کے لیے گھر کے خواب دیکھتا رہتا ہے۔ درج بالا اشتراکات اور اس افتراقات کو مد نظر رکھ کر دونوں افسانوں کا مجموعی جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ دونوں افسانے حقیقت نگاری کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ دونوں میں معاشرے کی معاشی بدحالی اور غربت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ غربت انسان کو بے بس بناتی ہے۔ افسانہ "قیدی کی وردی" میں خجستہ صدا لگاتے ہوئے کہتا ہے :

(14) "سگریٹ، بوٹ کے بدلے ڈبیا، بوٹ کے بدلے ڈبیا "

اس نوجوان خجستہ کے کردار میں کم عمری کی محرومیوں، لوگوں کے رویے اور مالی جدوجہد کو اجاگر کیا گیا ہے۔ "کتبہ" میں شریف حسین ناامیدی کے باوجود بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑ رہے۔ اتنی زیادہ الجھن کے باوجود بھی وہ پر امید ہے اور لوگوں سے توقع لگائے بیٹھا ہے۔ مثال ملاحظہ ہوں

(15) "وہ کلرک درجہ دوم سے ترقی کر کے سپرنٹنڈنٹ بن جائے اور اس کی تنخواہ چالیس سے بڑھ کر چار سو ہو جائے"

۔ شریف حسین سارا دن کام کرتا وہ رہتا ہے

وہ سارا دن فائلوں اور کاغذوں میں مصروف رہتا ہے۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ٹائپسٹ کی تھکی انگلیاں سارا دن ٹائپ رائٹر پر چلتی رہتی ہیں، اس کی زندگی میں سوائے حروف تہجی کی ترتیب کو بدل بدل کر لکھنے کے اور کوئی جذبہ یا احساس نہیں ہوتا اور ہوتا ہے تو صرف اپنے مستقبل سے متعلق جذبات کا۔ ہر کوئی روزانہ مخصوص انداز میں مخصوص کام کرنے پر ایک نظام الاوقات کے مطابق چلنے پر مجبور ہے۔ اس معمول میں سانس لینے کے لیے بھی ادھر اُدھر ہونے کا موقع میسر نہیں۔ ہر فرد تحفظ ذات کے فکر میں ہے۔ خواہشات نے انسان کو ہر چیز آفادی نقطہ نگاہ سے دیکھنے کا عادی بنا کر خود غرض بنا دیا ہے۔ ہر چیز کو افادیت کے ترازو میں تولنے۔ اپنی تہذیب سے بغاوت اور مشینیت نے پورا معاشرہ خود غرضی، نفسا نفسی، مطلب پرستی اور دوسروں کی مجبوریوں سے ناز فائدہ اٹھانے کا قابل بنایا ہے ایثار اور ہمدردی کو دولت کی بھینٹ چڑھایا گیا ہے۔ معاشرتی زندگی کی شکست و ریخت نے انسان کو توڑا اور اس کی آدمیت مسخ کی ہے۔ انسان کا انسان کے سہارا بننے اور باہمی اخوت سے رہنے کا زمانہ جا چکا ہے ۔

"لازم نہیں کہ یہ خواب شرمندہ تعبیر بھی ہوں، کیوں کہ
انسان تقدیر کے آگے بے بس ہے۔ کوئی بھی قسمت کے لکھے
ہوئے سے معمولی بھی آگے پیچھے نہیں جا سکتا۔ جس طرح
شریف حسین اور خجستہ نے خواب تو دیکھے لیکن خواب کو پورا کرنا
ان کے اختیار میں نہیں تھا۔ آخر میں دونوں مصنفین نے انسانی
زیست کے حوالے سے اس تلخ حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ کسی
فرد واحد کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس

کارخانہ بوونبوں میں اوراس چکرمیں کسی انسان کی زندگی

چند ہی لمحوں کا حساب ہے جس پر اختیار تو بڑی بات ہے اس کا معمولی پتا بھی انسان کو معلوم نہیں

موت ایک انتہائی بھیانک اور پر درد تاہم ناگزیر حقیقت

ہے کیونکہ موت ہر شے کو ابدی نیند سلا دیتی ہے۔ جس طرح خجستہ آخر میں سپاہی کی گولی کا نشانہ بنتا ہے مثال ملاحظہ فرمائیں

(16) " صندوقچہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ سگریٹ اور ماچس کی ڈبیاں بکھر گئیں۔ پھر وہ منہ کے بل گر کر ٹھنڈا ہو گیا

انسان کا انسان کے ہاتھوں استحصال کی ایک قسم معاشی اقتضادات کی صورت میں دنیا میں ہر کہیں اور ہر دور میں دیکھی جا سکتی ہے۔ دونوں مصنفین نے ان

۔ افسانوں میں اس موضوع کو پیش کیا ہے

حوالہ جات

غلام عباس، کتبہ مشمولہ "آنندی" ص54 اپریل 1948 سویرا آرٹ پریس لاہور با اہتمام رشید احمد چودھری، مکتبہ جدید لاہور :1

2: ت، یاسر حبیب (مرتب) عالمی ادب کے اردو تراجم ص 997

3: غلام عباس۔ کتبہ، مشمولہ "آنندی" ص50 اپریل 1948

4: ایضا، ص 57

5: ایضا، ص 59

6: یاسر حبیب (مرتب) عالمی ادب کے اردو تراجم ص 996

7: ایضا، ص 997

8 : ایضا، ص 997

9 53: غلام عباس۔ کتبہ، مشمولہ۔ آنندی۔ ص

996 نجیب محفوظ (مترجم خورشید رضوی) مرتب یاسر حبیب عالمی ادب کے اردو تراجم ص :10

صفیہ عباد، رشید امجد کے افسانوں کا فنی و فکری مطالعہ، پورب اکادمی :11

12: غلام عباس، کتبہ مشمولہ، آنندی، ص 51

13،1000: نجیب محفوظ (مترجم خورشید رضوی) مرتب یاسر حبیب عالمی ادب کے اردو تراجم ص

14: 1000 ایضا، ص

15 55: غلام عباس، کتبہ مشمولہ، آنندی، ص

1000، نجیب محفوظ (مترجم خورشید رضوی) مرتب یاسر حبیب عالمی ادب کے اردو تراجم ص:16